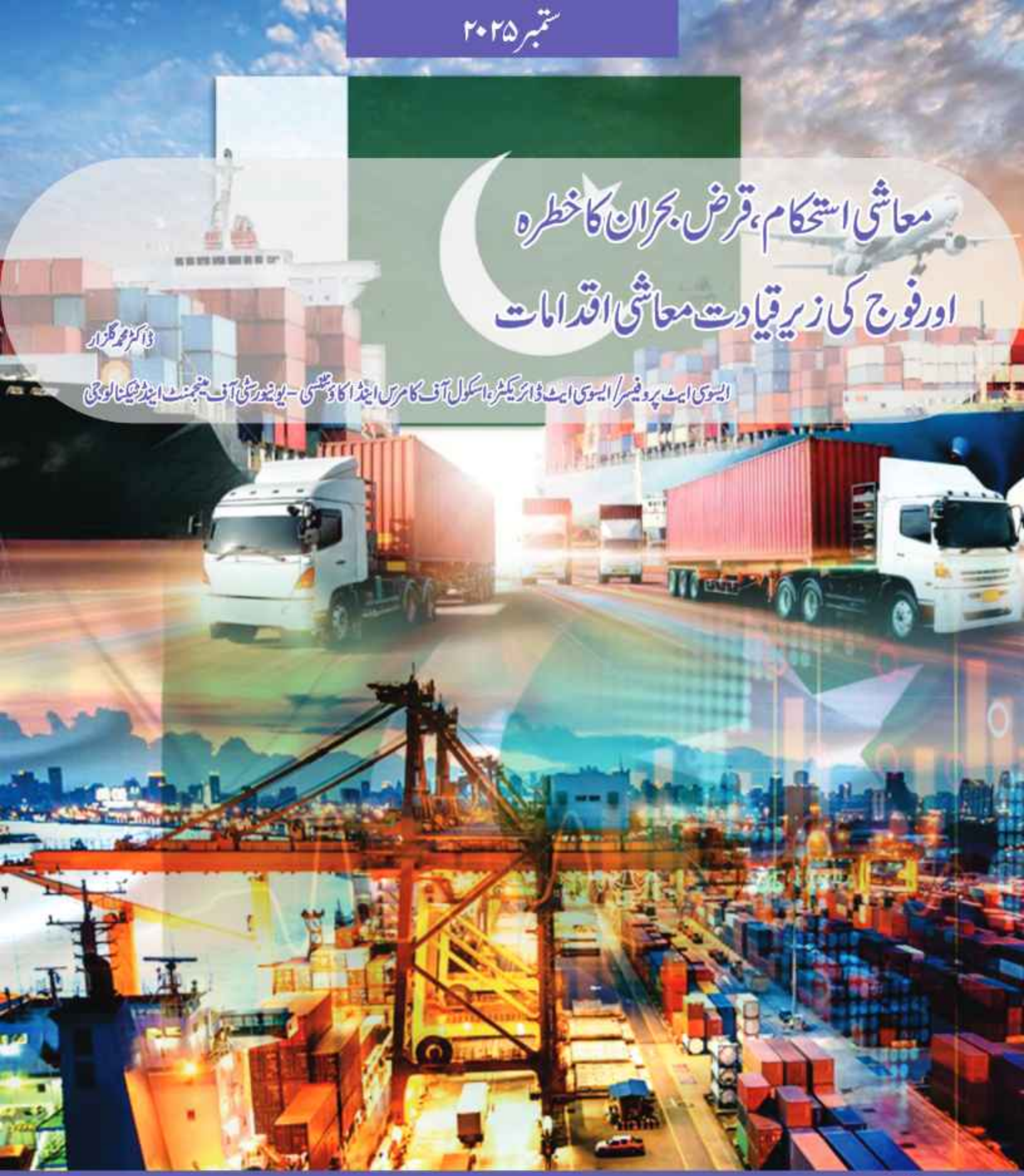


معاشی استحکام، قرض بحران کا خطرہ اور فوج کی زیر قیادت معاشی اقدامات

ڈاکٹر محمد گلزار

ایسوسی ایٹ پروفیسر/ایسوسی ایٹ ڈائریکٹر، اسکول آف کامرس اینڈ اکاؤنٹنسی - یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی



پاکستان کی معیشت ایک ایسے دوراہے پر کھڑی ہے جہاں استحکام کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے۔ عالمی مالیاتی اداروں پر انحصار، غیر متوازن برآمدات و درآمدات، بڑھتے ہوئے قرضے، اور اندرونی سیاسی و انتظامی عدم استحکام نے اس صورتحال کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے۔ حالیہ برسوں میں فوج کا کردار معیشت میں نمایاں طور پر بڑھا ہے، جس نے بحث کو مزید گہرا کر دیا ہے کہ آیا یہ اقدامات دیرپا حل فراہم کریں گے یا مسائل کو نئے زاویوں سے جنم دیں گے۔

پاکستان کی معیشت اس وقت ایک ایسے موڑ پر کھڑی ہے جہاں استحکام کے تقاضے اور قرضوں کے بڑھتے ہوئے بوجھ نے نہ صرف پالیسی سازوں کو پریشان کر رکھا ہے بلکہ عام شہری کی زندگی کو بھی مشکل سے مشکل تر بنا دیا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ پاکستان کی معیشت دہائیوں سے وقتی ریلیف پر چلتی آئی ہے۔ قیام کے بعد سے ہی ملک کو اپنی محدود برآمدات، بڑھتی ہوئی درآمدات اور کمزور مالیاتی ڈھانچے کے باعث بیرونی امداد پر انحصار کرنا پڑا۔ 1950 اور 1960 کی دہائی میں امریکی امداد اور سرد جنگ کے اتحاد نے وقتی سہارا دیا، مگر یہ سہارا اس وقت ختم ہو گیا جب سیاسی اور معاشی پالیسیاں مقامی بنیادوں پر استحکام پیدا کرنے میں ناکام رہیں۔ 1970 کی دہائی کی پالیسیوں نے صنعتی ترقی کو متاثر کیا جبکہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی نے معاشی بوجھ دوگنا کر دیا۔ اسی طرح 1980 اور 1990 کی دہائیوں میں پاکستان نے بار بار آئی ایم ایف کے پاس جا کر قرض لیا لیکن اصلاحات پر عملدرآمد ہمیشہ ادھورا رہا۔ اس تاریخی تسلسل نے پاکستان کی معیشت کو ایک ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا

ہے جہاں ہر چند سال بعد نیا بحران جنم لیتا ہے۔

آج کی صورتحال ماضی سے بھی زیادہ پیچیدہ ہے۔ افراطِ زر نے عام شہری کی قوتِ خرید کو شدید متاثر کیا ہے، بجلی اور ایندھن کی قیمتوں میں اضافے نے صنعتی پیداوار کو کم کر دیا ہے، اور زرمبادلہ کے ذخائر اتنے کم ہو چکے ہیں کہ چند ہفتوں کی درآمدات ہی پورا کر سکتے ہیں۔ ایسے میں پاکستان کا قرضہ 130 ارب ڈالر سے تجاوز کر چکا ہے اور وفاقی بجٹ کا نصف سے زیادہ حصہ صرف سود اور قرضوں کی ادائیگی پر خرچ ہوتا ہے۔ 2025 اور 2026 میں قرضوں کی بھاری قسطیں پاکستان کے سامنے ایک بڑا سوالیہ نشان ہیں کہ آیا معیشت ان بوجھوں کو برداشت کر پائے گی یا نہیں۔ دیوالیہ ہونے کا خطرہ دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں معاشی استحکام کی بحث اور فوجی اداروں کی مداخلت کو سمجھنا ضروری ہے۔

حکومت نے معاشی استحکام کے لیے مختلف اقدامات شروع کیے ہیں۔ ایف بی آر کے نظام میں اصلاحات کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ ٹیکس نیٹ کو وسیع کیا جا سکے، برآمدات میں اضافہ کرنے کے لیے ٹیکسٹائل اور آئی ٹی سیکٹر کو سہولتیں دی جا رہی ہیں، اور خلیجی ممالک سے سرمایہ کاری کے وعدے حاصل کیے جا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سبسڈی میں کمی اور روپے کی قدر میں ایڈجسٹمنٹ جیسے اقدامات بھی کیے گئے ہیں تاکہ بجٹ خسارہ کم کیا جا سکے۔ لیکن ان تمام پالیسیوں کا فوری اثر عوام پر مہنگائی کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ پٹرول، بجلی، آٹا اور دیگر بنیادی اشیاء کی قیمتوں نے عام آدمی کی زندگی کو ناقابلِ برداشت کر دیا ہے۔ نتیجتاً حکومتی دعوے عوامی سطح پر کمزور دکھائی دیتے ہیں اور اعتماد کا فقدان مزید بڑھ جاتا ہے۔

پاکستان تقریباً دو درجن بار آئی ایم ایف کے پاس جا چکا ہے۔ ہر بار سخت شرائط کے تحت قرض ملا، جن میں روپے کی قدر میں کمی، سبسڈی کا خاتمہ، اور ٹیکسوں میں اضافہ شامل رہا۔ یہ شرائط وقتی طور پر معیشت کو سہارا ضرور دیتی ہیں، لیکن ان کے اثرات عام شہری پر مہنگائی اور بوجھ کی صورت میں پڑتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عوامی ناراضگی بڑھتی ہے اور سیاسی عدم استحکام مزید گہرا ہو جاتا ہے۔

پاکستان کی معیشت کئی دہائیوں سے بحران اور غیر یقینی صورتحال کا شکار ہے۔ ہر چند سال بعد ملک کو زرمبادلہ کے ذخائر کی کمی، مہنگائی، یا مالیاتی خسارے جیسے مسائل کا سامنا ہوتا ہے، جس سے معاشی استحکام ایک مستقل چیلنج بن گیا ہے۔ استحکام صرف زرِمبادلہ بڑھانے یا مہنگائی کم کرنے کا نام نہیں بلکہ ایک ایسا توازن ہے جس میں مالی پالیسی، عوامی بہبود، صنعتی ترقی اور سرمایہ کاری سب شامل ہوں۔ بدقسمتی سے پاکستان میں یہ توازن قائم نہیں ہو سکا، اور یہی خلا فوج جیسے غیر منتخب اداروں کو معیشت میں مداخلت کا موقع فراہم کرتا ہے۔

استحکام کا مطلب ہے کہ ریاست اپنے وسائل اور اخراجات میں توازن قائم کرے، عوام کو روزگار اور سہولتیں فراہم کرے، اور بیرونی دباؤ کے بغیر اپنی پالیسی سازی کر سکے۔ اگر معیشت مستحکم ہو تو نہ صرف عوام کا معیارِ زندگی بہتر ہوتا ہے بلکہ ملک کی خودمختاری بھی محفوظ رہتی ہے۔

پاکستان میں معاشی استحکام کی کمی نے عوامی سطح پر بے چینی کو بڑھایا اور حکومتوں کی سیاسی حیثیت کو کمزور کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشی استحکام آج قومی سلامتی کے ساتھ براہِ راست جُڑ گیا ہے۔



پاکستان میں معاشی استحکام کی راہ میں چند بڑی رکاوٹیں ہیں:

پالیسی کا تسلسل نہ ہونا: ہر نئی حکومت اپنی پچھلی حکومت کی پالیسیاں بدل دیتی ہے، جس سے طویل المدتی منصوبے ادھورے رہ جاتے ہیں۔

کمزور ٹیکس نظام: آبادی کا بڑا حصہ ٹیکس نیٹ سے باہر ہے جبکہ اشرافیہ اور بڑے تاجر طبقے کو ٹیکس میں رعایت حاصل ہے۔

درآمدی انحصار: برآمدات محدود ہیں اور درآمدات پر انحصار زیادہ ہے، جس سے تجارتی خسارہ بڑھتا ہے۔

توانائی بحران: بجلی اور گیس کی کمی نے صنعتوں کو نقصان پہنچایا ہے، جس کے نتیجے میں برآمدی صلاحیت کمزور ہوئی۔

فوج کی معاشی مداخلت کی تاریخی جھلک

پاکستان میں فوج کا کردار ہمیشہ صرف دفاع تک محدود نہیں رہا۔ ایوب خان کے دور میں معاشی منصوبہ بندی میں فوجی اثر ورسوخ نمایاں تھا، جس کے نتیجے میں صنعتی ترقی تو ہوئی مگر یہ ترقی زیادہ تر شہری علاقوں اور مخصوص طبقوں تک محدود رہی۔ ضیاء الحق کے دور میں معیشت کو

خلیجی ممالک کی رقوم اور ترسیلاتِ زر نے سہارا دیا، جبکہ پرویز مشرف کے دور میں غیر ملکی سرمایہ کاری بڑھی مگر پالیسی تسلسل کی کمی کے باعث اس کے اثرات دیرپا ثابت نہ ہوئے۔ ان ادوار میں ایک بات مشترک رہی: فوجی قیادت کے اقدامات وقتی ریلیف دیتے ہیں لیکن بنیادی ڈھانچے کی کمزوریوں کو ختم نہیں کرتے۔

آج کے حالات میں فوج ایک بار پھر براہِ راست معیشت میں متحرک ہے۔ نگران اور منتخب حکومتوں کے ساتھ مل کر سرمایہ کاری کونسلز اور منصوبہ بندی کمیٹیوں میں فوجی نمائندگی بڑھائی گئی ہے۔ مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ غیر ملکی سرمایہ کاروں کو یقین دلایا جائے کہ ان کے منصوبے سیاسی اتار چڑھاؤ سے متاثر نہیں ہوں گے۔ فوجی ادارے بڑے ترقیاتی منصوبوں، بندرگاہوں اور توانائی کے شعبے میں بھی اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

ایسی صورتحال میں فوج کا کردار مزید نمایاں ہوگیا ہے۔ Special Investment Facilitation Council (SIFC) کے قیام کے بعد فوج براہِ راست سرمایہ کاری کے فیصلوں میں شامل ہوچکی ہے۔ مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ غیر ملکی سرمایہ کاروں کو یہ یقین دلایا جائے کہ سیاسی عدم استحکام کے باوجود ان کے منصوبے محفوظ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے منصوبے جیسے ریکوڈک کان کنی اور توانائی کے منصوبے بھی فوج کی نگرانی میں آرہے ہیں۔ دفاعی بجٹ میں بھی 20 فیصد اضافہ کیا گیا ہے، جو عوامی خدمات کے بجٹ میں کٹوتیوں کے ساتھ تضاد رکھتا ہے۔

یہ اقدامات وقتی استحکام ضرور فراہم کرتے ہیں لیکن کئی سوالات کو بھی جنم دیتے ہیں۔ ناقدین کے مطابق فوجی مداخلت جمہوری اداروں کو کمزور کرتی ہے، شفافیت کو متاثر کرتی ہے اور معیشت کے بنیادی مسائل جیسے ٹیکس نیٹ کا فقدان یا توانائی بحران کو حل نہیں کرتی۔ دوسری طرف بین الاقوامی سرمایہ کار وقتی طور پر اعتماد محسوس کرتے ہیں مگر یہ بھی جانتے ہیں کہ فوجی کردار مستقبل میں سیاسی پیچیدگیاں پیدا کرسکتا ہے۔

موجودہ سیاسی اور دفاعی صورتحال اس تصویر کو مزید پیچیدہ بناتی ہے۔ بھارت کے ساتھ حالیہ عسکری کشیدگی نے دفاعی اخراجات بڑھا دیے ہیں، جو پہلے ہی کمزور بجٹ پر بوجھ ہیں۔ عالمی ماہرین خبردار کر رہے ہیں کہ یہ صورتحال آئی ایم ایف پروگرام اور بیرونی سرمایہ کاری کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ چین کے ساتھ سی پیک کے دوسرے مرحلے نے وابستگی کو بڑھا دیا ہے جبکہ امریکہ کے ساتھ تعلقات میں بھی معاشی توازن برقرار رکھنے کی کوشش جاری ہے۔

ان سب عوامل کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان کے لیے سب سے بڑا چیلنج قرض بحران پر قابو پانا اور پالیسی تسلسل کو یقینی بنانا ہے۔ فوجی اقدامات وقتی اعتماد فراہم کرسکتے ہیں مگر پائیدار حل صرف اسی وقت ممکن ہے جب معاشی فیصلے جمہوری ادارے کریں، ٹیکس نیٹ کو وسعت دی جائے، برآمدات کو بڑھایا جائے اور عوامی شعبوں پر سرمایہ کاری کو ترجیح دی جائے۔ بصورت دیگر، معیشت بار بار انہی بحرانوں میں

پھنستی رہے گی اور استحکام ایک خواب ہی رہے گا۔

فوجی اصلاحات کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ یہ غیر ملکی سرمایہ کاروں کو وقتی طور پر اعتماد فراہم کرتے ہیں۔ خلیجی ممالک اور چین کے ساتھ ہونے والے معاہدوں میں فوجی اصلاحات کے تحت یہ پیغام دیا گیا ہے کہ منصوبے محفوظ ہیں۔ لیکن اس اعتماد کو مستقل شکل صرف اسی وقت مل سکتی ہے جب فوجی اصلاحات کے ساتھ ساتھ جمہوری ادارے بھی پالیسی تسلسل، شفافیت اور عوامی فلاح کی ضمانت دیں۔



موجودہ سیاسی اور دفاعی صورتحال میں فوجی اصلاحات بظاہر معیشت کو سہارا دیتی ہیں، مگر یہ سوال باقی ہے کہ کیا یہ اصلاحات دیرپا استحکام پیدا کریں گی یا یہ صرف ایک اور وقتی حل ہوں گی جو بنیادی مسائل کو جوں کا توں رہنے دیں گی۔ پاکستان کے لیے اصل کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب فوجی اصلاحات معاونت تک محدود رہیں اور فیصلہ سازی کا مرکز عوامی نمائندے اور جمہوری ادارے ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ آگے بڑھنے کا راستہ کیا ہے؟ پاکستان کو سب سے پہلے پالیسی تسلسل قائم کرنا ہوگا۔ ہر حکومت کو یہ سمجھنا ہوگا کہ معیشت کسی ایک جماعت یا مدت تک محدود نہیں بلکہ قومی مستقبل سے جڑی ہے۔ ٹیکس نیٹ کو وسیع کرنے کے لیے اشرافیہ اور بڑے کاروباری حلقوں کو شامل کرنا ہوگا۔ دفاعی بجٹ اور سماجی شعبوں کے درمیان توازن قائم کرنا ہوگا تاکہ عوامی فلاح کو یقینی بنایا جا سکے۔ صنعت، ٹیکنالوجی اور زراعت کو جدید بنیادوں پر کھڑا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ برآمدات میں حقیقی اضافہ ہو۔ سب سے اہم یہ کہ معاشی اصلاحات کے ساتھ عوامی

ریلیف بھی فراہم کرنا ہوگا تا کہ عام شہری کو یہ احساس ہو کہ وہ صرف قربانی دینے والا نہیں بلکہ اصلاحات کے ثمرات کا شریک بھی ہے عوامی اعتماد بحال کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر اصلاحات کا بوجھ صرف غریب طبقے پر ڈالا جائے گا تو یہ پالیسی دیرپا نہیں ہوگی۔ عوام کو یہ یقین دلانا ہوگا کہ قربانی سب سے لی جارہی ہے اور اس کے ثمرات سب تک پہنچیں گے۔

پاکستان کا معاشی استحکام قرض بحران کے خطرے سے جڑا ہوا ہے۔ جب تک قرضوں کا بوجھ کم نہیں کیا جاتا اور ملک اپنی داخلی آمدنی بڑھانے پر توجہ نہیں دیتا، اس وقت تک معیشت ہر چند سال بعد نئے بحران کا شکار ہوتی رہے گی۔ آئی ایم ایف یا دیگر اداروں کے قرض وقتی سہارا ضرور ہیں لیکن مستقل حل نہیں۔ مستقل حل صرف اس وقت ممکن ہے جب سیاسی قیادت، ادارے اور عوام مل کر ایک ایسی حکمت عملی اپنائیں جو شفاف، دیرپا اور سب کے لیے یکساں ہو۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پاکستان قرضوں کے جال میں پھنس کر اپنی معیشت اور خودمختاری دونوں کو داؤ پر لگا دے گا۔

آخر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان کی معیشت ایک نازک دوراہے پر ہے۔ قرض بحران ایک حقیقی خطرہ ہے، اور فوجی اقدامات وقتی ریلیف دے سکتے ہیں، لیکن دیرپا حل صرف اسی وقت ممکن ہے جب سیاسی قیادت، فوج اور دیگر ادارے ایک مشترکہ حکمتِ عملی اپنائیں جس کی بنیاد شفافیت، پالیسی کا تسلسل، اور عوامی اعتماد پر ہو۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پاکستان بار بار انہی معاشی چکروں میں پھنسے گا جہاں وقتی ریلیف کے باوجود استحکام ہمیشہ ایک خواب ہی رہے گا۔

